معاصر نظام ہائے معیشت میں تقسیم دولت کے تصورات کا تقابلی جائزہ

A comparative study of Distribution of Wealth in Contemporary Economic Systems

محمد ذوالقرنین*

ABSTRACT

One of the core issues in contemporary economic trends is the fair and just distribution of wealth into the society. In this research, a comparative study of 'distribution of wealth' in Capitalism, Communism and Islam has been conducted. Qualitative research method is adopted for the analysis of data. The review of literature reveals that central ideas of Capitalism, Communism and Islam are 'liberty', 'equality' and 'justice' respectively. After evaluating the basic infrastructure, methodological framework and practical consequences of these three systems, it has been established that Capitalism and Communism have badly failed in maintaining fair distribution of wealth. Both (Capitalism and Communism) enhanced global inequality which could be assessed from the present economic condition of world as half the world's wealth is now in the hands of just 1% of the population. On the other hand, Islam has ensured the just distribution of wealth by taking two revolutionary steps: by giving 18 compulsory and 6 optional commandments about circulation of wealth and by overruling all means of hoarding. Moreover, unlike Capitalism and Communism, Islam has given special instructions to distribute wealth among poor, disable, and helpless persons of society who are incapable of participating in the process of production. These measures promote peace and prosperity in society and reduce the ratio of poverty. In the light of above findings, it is concluded that only Islamic economic system can guarantee the just and fair distribution of wealth. It is, therefore, recommended that Islamic countries should implement the Islamic economic system in order to get rid of economic instability.

Keywords: *Distribution of Wealth, Capitalism, Communism, Islam, Comparative Analysis, Contemporary economic systems.*

* پی ایچ ڈی سکالر، قسم العقیدہ والفلسفہ، فیکلٹی آف اصول الدین (اسلامک سٹڈیز)، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

علم معاشیات میں تقسیمِ دولت کے ضمن میں ان اصولوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کے تحت پیدا ہونے والی اشیاء و خدمات عملِ پیداوار میں بلاواسطہ یا بالواسطہ شرکت کرنے والوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ پیداوار میں حصہ لینے والے عاملین کے مابین دولت کی منصفانہ تقسیم معاشیات کا سب سے پیچیدہ اور اہم مسئلہ ہے کہ وہ دولت جو ان سب کی مشترکہ پیداوار ہے، ان کے مابین کس تناسب سے تقسیم کی جائے؟ بظاہر اس سوال کا جواب انتہائی آسان معلوم ہوتا ہے کہ پیداشدہ دولت کو عاملین پیدائش کے مابین ان کی سعی و کوشش کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ مگر الجھن یہ ہے کہ اس درست اور عادلانہ تناسب کا تعین کس بنیاد پر کیا جائے اور اسکے لیے کیا معیار بنایا جائے؟ اس حوالے سے کوئی ایسا تسلی بخش اصول، طریقہ یا نظریہ وضع نہیں ہو سکا جس پر عمل کر کے دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں لائی جاسکے۔ جس طرح ایک امر کے لیے کی گئی اجتماعی جدوجہد میں یہ طے کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کہ انفرادی سطح پر اسے الگ الگ ممیز کیا جاسکے، یہی صورت حال معاشیات میں بھی پیش آتی ہے، یہاں بھی دولت کے چاروں پیداکنندگان کے معاوضوں کا الگ الگ تعین کرنا ناممکن ہو جاتا ہے لیکن اس مشکل کے باوجود تقسیم دولت کا عمل دنیا بھر میں کہیں بھی رکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ یہ صورت حال ایک نئے سوال کو جنم دیتی ہے اور وہ یہ کہ اس بنیادی مشکل کے باوجود اگر معاشیات میں تقسیم دولت کا عمل جاری ہے تو کیا جن اصول و قواعد کی بنیاد پر جاری ہے وہ مبنی بر عدل ہیں یا نہیں؟ یہی وہ گتھی ہے جس کو سلجھانے کے لیے تقسیم دولت کے مختلف نظریات پیش کیے گئے۔

معاصر نظام ہائے معیشت میں تقسیم دولت کے تین نظریات سب سے اہم ہیں جو اس وقت پوری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔ اس مضمون میں ہم ان نظریات یعنی سرمایہ دارانہ، اشتراکیت اور اسلامی نظام معیشت میں تقسیم دولت کے طریقہ کار، نتائج اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا تقابلی جائزہ لیں گے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیم دولت کا تصور

مولانا مودودی سرمایہ دارنہ نظام کی ابتدائی شکل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "پانچویں صدی عیسوی میں جب مغربی رومن امپائر کا نظام درہم برہم ہوا تو یورپ کی تمدنی، سیاسی اور معاشی وحدت بالکل پارہ پارہ ہو گئی جس رشتے نے مختلف قوموں اور ملکوں کو باہم مربوط کر رکھا تھا وہ ٹوٹ گیا، اور جس انتظام نے اس ربط و تعلق کو ممکن بنا رکھا تھا وہ بھی قائم نہ رہا۔ اگرچہ رومی قانون، رومی عالمگیریت اور رومیوں کے سیاسی افکار کا ایک نقش تو اہل مغرب کے ذہن پر ضرور باقی رہ گیا جو آج تک موجود ہے، لیکن سلطنت کے ٹوٹنے سے سارا یورپ بے شمار چھوٹے چھوٹے اجزا میں بٹ گیا۔ ایک ایک جغرافیائی خطے کے کئی کئی ٹکڑے ہو گئے۔ ساری مملکت تقسیم در تقسیم ہو کر ایسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں متفرق ہو گئی جن کا انتظام مقامی رئیس اور جاگیردار سنبھال سکتے تھے۔ اس طرح یورپ میں اس

نظام زندگی کا آغاز ہوا جو اصطلاحاً "نظام جاگیر داری"(Feudal System) کہا جاتا ہے"۔ (۱)

سٹرن برگ (Sternberg) سرمایہ دارانہ نظام کے مرحلہ وار ارتقاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کو موجودہ حالت میں پہنچنے کے لیے سالہا سال لگے ہیں، اسکے ارتقاء کی رفتار پہلے سست تھی مگر انیسویں صدی کے اخیر سے لے کر پہلی جنگ عظیم تک اس نظام نے حیرت انگیز ترقی کی، یہاں تک کہ اس کا تسلط پوری دنیا پر قائم ہو گیا۔ جاگیر دارانہ نظام سے اس کی ابتداء ہوئی۔ بعد میں اشیاء کی پیدائش کی صورت میں جسے کیپٹل ازم کے نام سے پکارا جاتا ہے، سامنے آیا جس میں صنعت، مارکیٹ اور تجارت کو سرمایہ داروں نے کنٹرول کیا، اور ۱۸۸۰ء کے بعد جبکہ ذرائع رسل و وسائل عام ہو گئے تو یہ ساری دنیا پر چھا گیا۔ (۲)

موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی شناخت کے متعدد حوالے ہیں جن میں نجی ملکیت کی لامحدود آزادی (اس میں وسائل پیداوار کی ملکیت بھی شامل ہے)، معاشی آزادی، مقابلہ، صارف کی حکمرانی، جمہوریت اور انسانیت پرستی شامل ہے۔ اگر یہ تمام خصوصیات ایک ایسی معیشت میں ہوں جہاں حکومت کی قطعی مداخلت نہ ہو تو اس قسم کی معیشت کو آزاد معیشت(Laissez-Faire/Free Market Economy) کہا جائے گا۔(۳) اس نظام کے بنیادی اصولوں میں شخصی ملکیت کا حق، آزادی سعی کا حق، ذاتی نفع کا محرک عمل ہونا، مقابلہ اور مسابقت، اجیر اور مستاجر کے حقوق کا فرق، ارتقاء کے فطری اسباب پر اعتماد(۴) اور چند قانونی حدبندیوں سے قطع نظر سرمایہ پیدا کرنے کا ہر طریقہ اس کے لیے جائز ہے اس تصور کی بنیاد پر سود، سٹہ اور اکتناز وغیرہ اس نظام میں شیر مادر سمجھا جاتا ہے۔ اسی حوالے سے آدم سمتھ جو کہ آزاد معیشت کا بڑا حامی ہے، نے کہا تھا کہ : "کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ جب کاروباری لوگ باہم جمع ہوں اور ان کی صحبت پبلک کے خلاف کسی سازش اور قیمتیں چڑھانے کے لیے کسی قرارداد پر ختم نہ ہو، حد یہ ہے کہ تقریبات میں مل بیٹھنے کا جو موقع مل جاتا ہے، اس کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی نہیں جانے دیتے"۔ (۵)

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے اندر تقسیم دولت کا جو نظام مقرر کیا گیا ہے، اس کے مطابق دولت کے حقدار

---

(۱) مودودی، مولانا، ابوالاعلی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۳ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۷-۸

(۲) حسین محمد قریشی، شاہ ولی اللہ کا نظام معیشت اور عصر حاضر میں اس کی افادیت، مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۸ء، ص:۲۹

(۳) سلیمان، اسلامی نظریہ تقسیم دولت اور اس کے معیشت پر اثرات کا علمی اور تحقیقی جائزہ، پی ایچ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ، جامعہ کراچی، ص:۹

(۴) مولانا مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص:۲۲

(۵) اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص:۲۹

صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیداوار میں حصہ لیا ہے اور معاشی اصطلاح میں انہیں "عاملین پیداوار" کہا جاتا ہے۔ نارمن ایف کیسر (Norman F Keiser) کے مطابق سرمایہ دارانہ معاشیات میں عاملین پیداوار کی تعداد چار ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔(1)

١۔ سرمایہ: جس کی تعریف پیدا کردہ ذریعہ پیدائش سے کی گئی ہے یعنی وہ شے جس پر ایک مرتبہ انسانی عملِ پیدائش ہو چکا ہو، اور اسے ایک دوسرے عملِ پیدائش کے لیے ذریعہ بنایا جا رہا ہو۔

٢۔ محنت: یعنی انسانی عمل جس کو انگریزی میں لیبر کہا جاتا ہے۔

٣۔ زمین: جس کی تعریف قدرتی وسائل سے کی گئی ہے یعنی وہ اشیاء جو انسان کے کسی سابقہ عمل پیدائش کے بغیر پیدائش کا وسیلہ بن رہی ہوں۔ تمام معدنیات بھی اس زمرے میں آتی ہیں۔

٤۔ آجر یا تنظیم: یعنی وہ عامل جو مذکورہ بالا تینوں عوامل کو جوڑ کر انہیں کام میں لگاتا ہے اور نفع و نقصان کا خطرہ مول لیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں ان چار عاملین پیداوار کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار ہوتی ہے، اس کو انہی چاروں پر اس طرح تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ ایک حصہ سرمایہ کو سود کی شکل میں دیا جاتا ہے، دوسرا حصہ محنت کو اجرت کی شکل میں دیا ہے، تیسرا حصہ زمین کو لگان یا کرایہ کی صورت میں ملتا ہے، اور چوتھا حصہ آجر کے لیے منافع کی صورت میں باقی رکھا جاتا ہے۔

سرمایہ کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سود

زمین کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگان / کرایہ

محنت کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اجرت

آجر کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔منافع

اس نظام میں سود، لگان اور اجرت کی شرح متعین کرنے کے لیے "طلب و رسد" کے اصول کار فرما ہوتے ہیں۔ انہی اصولوں کے پیش نظر قیمتوں کا تعین بھی آپ ہی آپ ہو جاتا ہے۔ اوپر کے بیان کردہ تین مصارف میں سے جو سرمایہ بچ جائے وہ آجر کا منافع کہلاتا ہے۔

اشتراکیت میں تقسیم دولت کا تصور

اشتراکیت، در حقیقت سرمایہ دارانہ نظام کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی ۔ سرمایہ دارانہ فلسفے کا پورا زور

---

(1) Keiser, Norman-F, Introductory Economics (New York: John Willy & Sons, 1990), 6

چونکہ اس بات پر تھا کہ زیادہ نفع کمانے کے لئے ہر شخص آزاد ہے اور معیشت کا ہر مسئلہ بنیادی طور پر صرف رسد وطلب کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔اس لئے اس فلسفے میں فلاح عامہ اور غریبوں کی بہبود وغیرہ کا کوئی واضح اہتمام نہیں تھا۔اورزیادہ منافع کمانے کی دوڑ میں کمزور افراد کے پسنے کے واقعات بکثرت پیش آئے۔ جس کے نتیجے میں غریب اور امیر کے درمیان فاصلے بہت زیادہ بڑھ گئے۔اس لئے اشتراکیت ان خرابیوں کے سدباب کا دعویٰ لیکر میدان میں آئی۔اس نظام کے تحت بہت سے مختلف نظریے اور مسلک کارل مارکس سے پہلے پیش کیے جانے شروع ہوگئے تھے جن کا مشترک مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا نظام زندگی بنایا جائے جس میں بحیثیت مجموعی پورے اجتماع کی فلاح ہو۔ مارکس نے آکر اس طلب عام کا جواب ایک خاص قسم کے سوشلزم کی شکل میں دیا جسے "سائنٹفک سوشلزم"، "مارکسزم" اور "کمیونزم" وغیرہ کے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔[۱] اشتراکیت کے حامی اس نظام کو مکمل تمدن اور نظام حیات گردانتے ہیں جو ایک مربوط فلسفیانہ، معاشی، سیاسی، اور سماجی نظام پر مبنی ہے۔مزید یہ کہ اشتراکیت کے پیروں کے نزدیک یہ وہ نظریہ ہے جو دنیا کی واحد سائنسی تعبیر کرنے کا مدعی ہے۔[۲]

اشتراکی نظام معیشت میں تقسیم دولت کے مطابق چونکہ سرمایہ اور زمین کسی کی انفرادی ملکیت ہونے کی بجائے قومی ملکیت ہوتے ہیں اس لیے سود اور لگان کا اس نظام کے فلسفے میں سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح آجر بھی اشتراکی نظام میں کوئی فرد واحد نہیں ہوتا بلکہ خود حکومت ہوتی ہے اس لیے منافع بھی اس کے یہاں نظری طور پر خارج از بحث ہے۔اب صرف "محنت" باقی رہ جاتی ہے،اور اشتراکی نظام میں دولت کی وہی مستحق ہوتی ہے جو اسے "اجرت" کی شکل میں ملتی ہے۔

سرمایہ کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حکومت کی ملکیت

زمین کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حکومت کی ملکیت

آجر کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حکومت کی ملکیت

محنت کا عوض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اجرت

اس نظام کے خدوخال کچھ اس قسم کے ہیں کہ جس سے زیادہ تر فوائد حکومت کو حاصل ہوتے ہیں اس لیے یہ نظام مجموعی طور پر انسانیت کو خوشحالی اور آسودگی مہیا کرنے سے عملاناکام رہاہے۔ تقسیم دولت کے اس طریقہ کار سے دولت کا معتدبہ حصہ چونکہ حکومت کے خزانے میں جاتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب ضروریات زندگی پر سرکاری کنٹرول نافذ کردیا جاتا ہے تو رشوت، خیانت، اور غبن کا سلسلہ بے تحاشا چل پڑتا ہے۔زندگی کی جو

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص: ۴۵

(2) Carew-hunt, R.N, The Theory & Practice of Communism (London: Geoffrey Bles1951), 7-8

ضرورت بھی پرمٹ، لائسنس، راشن کارڈ یا کوٹا ملنے پر موقوف ہو جاتی ہے اس کے معاملے میں پبلک کو ہر طرح سے تنگ ہونا پڑتا ہے اور سرکاری آدمیوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔[۱] اس حوالے سے روس کے صدر کا بیان قابل اعتناء ہے کہ "کاش اشتراکیت کے نظریہ کا تجربہ روس کی بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے ملک میں کر لیا گیا ہوتا، تاکہ کم از کم اسکی تباہی سے بچ جاتے"۔[۲] اب ہم ان دونوں یعنی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معیشت کے تحت دنیا میں جو تقسیم دولت کا عمل ہو رہا ہے، اسکا جائزہ لیتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معیشت کے عالمی اثرات

دنیا کے بیشتر ممالک کے معاشی نظام اس وقت سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت کے تحت چل رہے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں نظام عملی طور پر دولت کی عادلانہ تقسیم میں بالفعل ناکام رہے ہیں اس لیے ایک طرف غربت کی شرح میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف دولت اور عالمی وسائل چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ دولت کی گردش بحال نہ ہونے کے باعث غربت، معاشرتی بگاڑ اور معاشی بدحالی جیسے مسائل جنم لیتے ہیں جن سے زندگی کے تمام شعبہ جات بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے صحت، تعلیم اور معیار زندگی پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار (Facts and Figures) سے لگایا جا سکتا ہے۔

- ترقی کے اس دور میں بھی غربت کی بدولت لوگوں کا معیار زندگی اس قدر پست ہے کہ ایک ارب افراد کچی بستیوں میں رہائش پذیر ہیں۔ دنیا کی کوئی آدھی یعنی تین ارب سے زیادہ آبادی صرف ۲ء۵ ڈالر فی یومیہ پر گزارہ کرتی ہے۔ یونیسف کی رپورٹ کے مطابق روزانہ بائیس ہزار بچے غربت کی وجہ سے دم توڑ جاتے ہیں۔[۳]
- ترقی پذیر ممالک میں گیس کی سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے ۲ء۵ بلین لوگ آج بھی کھانا پکانے کے لیے کوئلہ، لکڑی اور جانوروں کا فضلہ استعمال کرتے ہیں۔[۴]
- اکیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جنوبی ایشاء، سب سہارن افریقہ، مشرقی ایشاء اور دوسرے ممالک میں بالترتیب ۷۰۶، ۵۴۷، ۲۲۴، اور ۱۰۱ ملین لوگوں کو بجلی کی سہولت بھی میسر نہیں ہے جبکہ دو ارب ۴۰ کروڑ افراد ساری زندگی بنیادی ضروریات کی خاطر تگ و دو میں گزار دیتے ہیں۔
- دنیا میں کل بچوں کی تعداد ۲ء۲ بلین ہے جن میں سے ایک بلین یعنی ہر دوسرے بچے کو مناسب اور

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص: ۵۸

(۲) شاہ ولی اللہ کا نظام معیشت اور عصر حاضر میں اس کی افادیت، ص:۳۷

(3) http://www.globalissues.org. (Note that the statistic cited uses children as those under the age of five. If it was say 6, or 7, the numbers would be even higher.)

(4) Millennium Development Goals Report 2007

معیاری خوراک، صاف پانی اور طبی سہولیات میسر نہیں ہیں[۱] جبکہ ۶۴۰ ملین یعنی (ہر تین میں سے ایک بچہ) مناسب چھت کے بغیر رہتا ہے۔[۲]

میڈیکل سائنس اور جدید ترین علاج کے طریقوں کی دریافت کے باوجود غربت کے سبب زیادہ تر لوگوں کو علاج کی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔ ایک سروے کے مطابق

- علاج معالجے جیسی بنیادی سہولیات کی عدم فراہمی کے باعث ۴۰ ملین لوگ HIV/AIDS جیسی امراض میں مبتلا ہیں۔ جن میں سے ۳ ملین کی ۲۰۰۴ میں اسی مرض کے سبب موت واقع ہوئی ہے۔ ہر سال ۳۵۰ سے ۵۰۰ ملین لوگ ملیریا کا شکار ہوتے ہیں جن میں سے ایک ملین مر جاتے ہیں۔ افریقہ میں ۹۰ فیصد اموات ملیریا کی بدولت ہوتی ہیں اور دنیا کے ۸۰ فیصد ملیریا کا شکار ہونے والے بچوں کا تعلق بھی افریقہ ہی سے ہے۔[۳]
- نامناسب خوراک، غذائی قلت اور خوراک کی عدم دستیابی کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں سے ہر ۵ سیکنڈ میں ایک بچے کی ہلاکت ہو جاتی ہے اور روزانہ ۲۲ ہزار بچے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسہال، دست اور نمونیہ وغیرہ کی بدولت کوئی ۱۰۸ ملین بچے سالانہ ہلاک ہو جاتے ہیں[۴] جبکہ ۲ء۲ ملین بچے ہر سال پولیو کے قطرے نہ پینے کی وجہ سے مر جاتے ہیں[۵] ۱۵ ملین بچے (HIV/AIDS) کی وجہ سے یتیم ہو جاتے ہیں۔
- ترقی پذیر ممالک میں بالعموم جبکہ جنوبی ایشیا اور سب سہارن افریقہ میں بالخصوص ۲۷ سے ۲۸ فیصد بچے مناسب خوراک اور طبی سہولیات نہ ہونے کے باعث ترقی یافتہ ممالک کے بچوں سے وزن میں کم ہوتے ہیں۔[۶]

صحت کے زیادہ تر مسائل صاف پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ صاف پانی کی دستیابی کا نظام اس قدر تنزلی کا شکار ہے کہ:

- دنیا میں ۱ ارب ۷۰ کروڑ افراد کو پینے کا صاف پانی تک میسر نہیں ہے اور یہ افراد گندا پانی پیتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر افراد ایسے ہیں جو پینے کا پانی ایسے جوہڑوں یا نالوں سے حاصل کرتے ہیں جن میں جانور بھی ان کے ہم پیالہ ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر تین میں سے دو لوگ صاف پانی تک رسائی سے محروم ہیں۔[۷]
- ترقی پذیر ممالک کی ۶۰ فیصد آبادی گندے پانی اور ناقص صفائی (گندگی) کے باعث بیماریوں کا شکار ہوتی

(1) State of the World's Children, 2005, UNICEF

(۲) ایضا

(3) Human Development Report (HDR), (United Nations Development Program, November 27, 2007), 25

(4) United Nations Human Development Report, 2006, pp.6, 7, 35

(5) State of the World's Children, UNICEF, 2005

(6) Human Development Report (HDR), (United Nations Development Program, November 27, 2007), 25

(7) United Nations Human Development Report, 2006, pp.6, 7, 35

ہے۔ جبکہ ہر سال ۱۴لاکھ بچے گندے پانی کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

- صاف پانی کی عدم دستیابی سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان کی بدولت ہر سال تقریبا دنیا میں ۴۴۳ ملین سکول کے دنوں کا نقصان ہو جاتا ہے [۱] جبکہ کئی ملین خواتین دن میں کئی گھنٹے پانی کی تلاش میں صرف کرتی ہیں۔ [۲]

ایک طرف ترقی پذیر ممالک میں پانی تک رسائی کی یہ صورت حال ہے جبکہ دوسری طرف ایک مخصوص طبقہ پانی جیسی قدرتی نعمت پر اس طرح قابض ہے کہ

- دنیا کے صرف ۱۲ فیصد افراد اس دنیا کے صاف پانی کا ۸۵ فیصد حصہ استعمال کرتے ہیں اور ان ۱۲ فیصد افراد میں سے ایک فیصد افراد کا تعلق بھی ترقی پذیر ممالک سے نہیں ہے۔
- دنیا میں ۱ارب ۸۰ کروڑ افراد کو اپنی تمام ضروریات پوری کرنے کیلئے ۲۰ لیٹر پانی روزانہ حاصل ہے جبکہ انگلینڈ میں ہر فرد کو ۱۵۰ لیٹر جبکہ امریکہ میں سب سے زیادہ یعنی ۶۰۰ لیٹر پانی فی کس کو روزانہ کی بنیاد پر حاصل ہے۔

غربت کی بدولت تعلیمی سرگرمیاں بھی شدید انداز میں متاثر ہوتی ہیں جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

- سن ۲۰۰۵ میں ترقی پذیر ممالک میں غربت کی بدولت ۷۲ ملین بچے سکول میں داخلہ نہ لے سکے جن میں سے ۵۷٪ تعداد بچیوں کی تھی۔ [۳]
- موجودہ یعنی ۲۱ویں صدی میں ایک بلین لوگ کتاب نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی اپنے دستخط کر سکتے ہیں۔ [۴]
- ۱۲۱ ملین بچے ایسے ہیں جن کو سرے سے تعلیم تک رسائی ہی حاصل نہیں ہے۔ [۵]

ان نکات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک طرف ترقی پذیر ممالک میں بنیادی سہولیات تک میسر نہیں ہیں جبکہ دوسری طرف چند لوگوں نے عالمی وسائل پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ دوڑ رہے ہیں اس بات کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی آدھی دولت صرف ایک فیصد لوگوں کے قبضے میں ہے [۶] جبکہ دنیا کی ۸۶ فیصد آسائشیں اور ضروریات زندگی (اشیاء ضرورت) صرف ۲۰ فیصد افراد کے تصرّف میں ہیں اور دنیا کے ۴۱ غریب ترین ممالک کا کل جی ڈی پی (سالانہ آمدن) دنیا کے سات امیر ترین افراد کی دولت سے کم

---

(1) 2006 United Nations Human Development Report, pp.6, 7, 35

(۲) ایضا

(3) Millennium Development Goals Report, 2007

(4) The State of the World's Children, 1999, UNICEF

(5) State of the World's Children, 2005, UNICEF

(6) https://www.theguardian.com/money/2015/oct/13/half-world-wealth-in-hands-population-inequality-report

ہے۔[1] اسی طرح تقسیم دولت کے حوالے سے مختلف ملکوں کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی صورت حال اس قدر ابتر ہے کہ

- آئی ایم ایف ورلڈ بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے غریب ممالک کو قرض دینے کے بعد جن شرائط پر عمل کرواتے ہیں ان شرائط کی بناء پر غریب ممالک کو ہر سال ۵۰۰ ارب ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور ہر سال قریباً ۲۰۰۰ ارب ڈالر غریب ممالک سے امیر ممالک میں منتقل ہوتے ہیں۔
- ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی اپنی مصنوعات تیسری دنیا کے ممالک میں فروخت کر کے ۹۰۰ ارب ڈالر کا منافع کما کر امیر ممالک میں منتقل کرتی ہیں۔
- پاکستان کا شمار بھی ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے ہماری حکومت اور معاشی ماہرین بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے در پر حاضری دینے والوں میں شامل ہیں۔ ہماری حکومت نے آئی ایم ایف سے تین سالہ بیل آؤٹ پیکج کی مد میں ۶ ارب ڈالر قرض کا معاہدہ کیا تھا جبکہ ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو گورنر سٹیٹ بینک نے انتہائی پریشان کن انکشاف کیا تھا کہ "پاکستان سے روزانہ اڑھائی کروڑ ڈالر بیرون ملک سمگل کئے جا رہے ہیں"۔

یہ ترقی پذیر اور غریب ممالک کی معاشی بدحالی کی ایک جھلک تھی جبکہ دوسری طرف ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کی کل قومی دولت جو ۵۷ ٹریلین ڈالر ہے اس میں امیر ترین افراد جو امریکی کل آبادی کا ایک فیصد ہیں یہ امریکہ کی کل قومی دولت میں ۳۵ فیصد کے مالک ہیں جبکہ امریکہ کے دس فیصد امیر ترین افراد کل قومی دولت کے ۸۰ فیصد کے مالک ہیں۔ جبکہ نیچے سے ۸۰ فیصد امریکی قومی دولت میں صرف ۷ فیصد کے مالک ہیں۔

اسی طرح سوا ارب سے زائد آبادی کے حامل ملک بھارت میں ۸۰ کروڑ سے زائد افراد خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور طرز زندگی، سہولیات اور بنیادی ضروریات کے حوالے سے بھارت کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے اسی بھارت کے تین شہری مکیش امبانی، لکشمی متل، اور اعظم پریم جی کا شمار دنیا کے امیر ترین افراد میں ہوتا ہے۔ دنیا کی ۶۰ بڑی کمپنیاں ٹیکس سے بچنے کیلئے ہر سال ۱۳۰۰ ارب ڈالر بیرون ملک منتقل کر دیتی ہیں اور دنیا کے امیر ترین افراد نے ۳۲ ہزار ارب ڈالر بیرون ملک بینکوں میں محفوظ کر رکھے ہیں جبکہ تیسری دنیا یعنی ترقی پذیر ممالک کے بیرونی قرضوں یعنی آئی ایم ایف ورلڈ بینک اور دیگر مالیاتی اداروں سے لئے گئے قرضے ۴۰۰۰ ارب ڈالر ہیں یعنی دنیا کے امیر ترین افراد نے ترقی پذیر ممالک کے کل بیرونی قرضوں سے ۸ گنا زیادہ رقم بیرون ممالک بینکوں میں چھپا رکھی ہے۔[2] تقسیم دولت کی ناہمواریوں کی وجہ سے ایک طرف غربت کی شرح

(1) World Bank Key Development Data & Statistics, World Bank, accessed March 3, 2008
(2) http://javedch.com/special-features/2016/07/06/36304.

میں روز بروز اضافہ ہو تا جارہا ہے اور دوسری طرف عالمی دولت چند ہاتھوں میں سمٹتی جارہی ہے جس کا اندازہ دنیا کے 10 امیر ترین افراد کی دولت سے لگایا جاسکتا ہے جو کہ ذیل میں ٹیبل کی شکل میں دی گئی ہے۔[1]

N	Name	Net Worth (USD)	Nationality	Source(s) of Wealth
1	Bill Gates	$75.0 billion	United States	Microsoft
2	Amancio Ortega	$67.0 billion	Spain	Inditex
3	Warren Buffett	$60.8 billion	United States	Berkshire Hathaway
4	Carlos Slim	$50.0 billion	Mexico	América Móvil, Grupo Carso
5	Jeff Bezos	$45.2 billion	United States	Amazon.com
6	Mark Zuckerberg	$44.6 billion	United States	Facebook
7	Larry Ellison	$43.6 billion	United States	Oracle Corporation
8	Michael Bloomberg	$40.0 billion	United States	Bloomberg L.P.
9	Charles Koch	$39.6 billion	United States	Koch Industries
9	David Koch	$39.6 billion	United States	Koch Industries

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ دنیا کے معتد بہ حصہ کو جو مسائل در پیش ہیں ان کی صرف اور صرف وجہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔چونکہ دنیا میں اس وقت تقسیم دولت کا عمل سرمایہ دارنہ اور اشتراکیت کے تحت ہو رہا ہے اس لیے یہ دونوں نظام اپنے اندر پائی جانے والی خرابیوں کی بدولت دولت کی منصفانہ تقسیم میں عملاً ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ دولت کی غیر عادلانہ تقسیم سے اس قدر سنگین نتائج بر آمد ہوتے ہیں کہ کئی نسلوں تک اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ غریب، غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ مستحقین تک ان کا حق نہ پہنچنے کی وجہ سے غربت، حرص، لالچ، جرائم اور دیگر کئی قباحتیں جنم لیتی ہیں جن سے معاشرے کا امن وسکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام میں تقسیم دولت کا جائزہ لینے کے بعد ہم اسلامی نظام معیشت میں تقسیم دولت کے طریقہ کار اور اسکے معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلامی نظام معیشت میں تقسیم دولت کا تصور

اسلامی تعلیمات میں معاشی مسئلے کو خصوصیت کے ساتھ سلجھایا گیا ہے۔ قرآن وسنت میں کثیر تعداد میں ایسی نصوص موجود ہیں جو معاشی نظام کا مکمل ڈھانچہ فراہم کرتی ہیں۔ چونکہ اسلامی نظام معیشت کے تمام تر اساسی

(1) https://en.wikipedia.org/wiki/The_World%27s_Billionaires

اصول آسمانی صحیفہ یعنی قرآن حکیم میں درج کر دیئے گئے ہیں لہٰذا ان اساسی اصولوں کی روشنی میں حالات کے مطابق جزئیات اور فریم ورک وضع کیا جاسکتا ہے بشر طیکہ اساسی اصولوں میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہ ہو۔

قرآن کریم کی کئی آیات اور احادیث طیبہ تقسیم دولت کی فرضیت، مقاصد اور مستحقین کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں، جن میں سے چند آیات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

تقسیم دولت کے مقصد کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ (۱)

"کہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے"۔

اسلامی نظام معیشت میں دولت کے حقدار صرف عاملین پیدائش ہی نہیں ہوتے بلکہ فقراء و مساکین اور معاشرے کے کمزور، نادار اور بیکس افراد بھی دولت میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اور قرآنی تصریحات کے مطابق ان مفلسوں تک ان کا حصہ پہنچانا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ وہ فی الواقعہ دولت کے مستحق ہیں۔ ارشاد خداوندی ملاحظہ ہو:

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (۲)

"اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق ہے"۔

قرآن کریم نے زکوۃ کے مصارف میں معاشی طور پر کمزور لوگوں کی ایک فہرست فراہم کی ہے تاکہ مستحق افراد تک ان کا حصہ بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچتا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (۳)

"صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل مائل کیے جاتے ہوں (اسلام کی طرف) اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لئے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے"۔

اسلامی نظام معیشت میں عوامل پیداوار کی تعیین، ان کی اصطلاحات اور ان پر تقسیم دولت کے طریقے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام سے مختلف ہیں۔ اسلامی نظریے کے مطابق پیدائش دولت کے حقیقی عوامل چار کی

---

(۱) سورۃ الحشر:۵۹

(۲) سورۃ الذاریات:۵۲

(۳) سورۃ التوبۃ:۹

بجائے تین ہیں۔

١۔ سرمایہ: یعنی وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں استعمال کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خرچ نہ کیا جائے۔ اور اسی لیے ان کا کرایہ پر چلانا ممکن نہیں ہے، مثلاً نقد روپیہ، یا اشیائے خوردنی وغیرہ۔

٢۔ زمین: یعنی وہ وسائل پیداوار جن کو عمل پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے، کہ ان کی اصلی شکل وصورت بر قرار رہتی ہے اسلیے انہیں کرایہ پر دیا جا سکتا ہے، مثلاً زمین، مکان، مشینری وغیرہ

٣۔ محنت: یعنی انسانی فعل جس میں ہر طرح کی ذہنی اور جسمانی کاوش شامل ہے لہٰذا اس میں تنظیم اور منصوبہ بندی بھی داخل ہے۔

ان تین عوامل کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار ہو گی، وہ اولاً انہی تینوں پر اسطرح تقسیم کی جائے گی، کہ اسکا ایک حصہ سرمایہ کو بہ شکل منافع (نہ کہ بشکل سود) ملے گا، دوسرا حصہ زمین کو بہ شکل کرایہ دیا جائے گا، اور تیسرا حصہ محنت کو بہ شکل اجرت ملے گا، جس میں جسمانی محنت اور تنظیم و منصوبہ بندی کی ذہنی اور فکری محنت سب داخل ہیں۔[1] دولت کے ان اولین مستحقین کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معیشت میں معاشرے کے کمزور عناصر کو قوی کرنے اور بیکار افراد کو قابل کار بنانے کے لیے عاملین پیداوار کے ساتھ دولت کے ثانوی مستحقین کی ایک طویل فہرست دی ہے، اور اس کا ایک باقاعدہ نظام بنایا ہے۔ اس بنا پر اسلامی نظام معیشت میں دولت کے مستحقین دو قسم کے لوگ بن جاتے ہیں، ایک اولین مستحق یعنی وہ لوگ جنہوں نے کسی پیداوار کے عمل میں بلا واسطہ حصہ لیا ہو، دوسرے ثانوی مستحقین یعنی وہ لوگ جو براہ راست عمل پیدائش میں شریک نہیں تھے، لیکن عاملین پیدائش کے ذمے لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں ان کو بھی شریک کریں۔

تقسیم دولت کے اس تصور کی بنا پر اسلام نے دولت کی گردش کو بحال رکھنے کے لیے دو طرح کے اقدامات کیے ہیں۔[2]

١۔ تقسیم دولت کے قانونی اقدامات

اس درجہ میں درج ذیل اقدامات شامل ہیں۔

١۔ قانونِ زکوۃ ٢۔ قانونِ عشر ٣۔ قانونِ وصیت ۴۔ قانونِ وراثت ۵۔ قانونِ غنائم ٦۔ قانونِ وقف ٧۔ قانونِ کفالتِ عامہ ٨۔ قانونِ مشارکت ٩۔ قانونِ اجرت ١٠۔ قانونِ بیت المال ١١۔ قانونِ التعویض العائلی ١٢۔ قانونِ رکاز ١٣۔ قانون الطواری ١۴۔ قانونِ قرضِ حسنہ ١۵۔ قانونِ مضاربت ١٦۔ قانونِ

---

(١) مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام تقسیم دولت، دارالاشاعت، کراچی، ص:٢١-٢٢

(٢) قادری، طاہر، ڈاکٹر، اقتصادیات اسلام (تشکیل جدید)، منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ٢٠٠٧ء، ص:٦٨٧

ضرائب ۱۷۔ قانونِ نذور و کفارات ۱۸۔ قانونِ الاضاحی الفطر۔

۲۔ تقسیم دولت کے اختیاری اقدامات

اس درجہ میں درج ذیل اقدامات شامل ہیں۔

۱۔ قانونِ نفقات و صدقات ۲۔ قانونِ ضیافت ۳۔ قانونِ تقسیم عفو ۴۔ قانونِ کفایت ۵۔ قانون الماعون ۶۔ قانونِ تعاون

تقسیم دولت کے سلسلے میں اسلام کے مقرر کردہ قانونی و اختیاری اقدامات سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے معاشرے کے اندر گردش کرتی رہتی ہے۔ جس سے غربت، معاشی ناہمواریوں، اور دیگر معاشرتی جرائم جو کہ دولت کی غیر عادلانہ تقسیم سے جنم لیتے ہیں، کا خاتمہ ہوتا ہے۔اس کی واضح مثال تاریخ اسلام کے اندر موجود ہے جو کہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں تقسیم دولت کا نظام اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے کی بدولت اس قدر شفاف اور مبنی بر عدل تھا کہ زکوۃ دینے والے زکوۃ ہاتھوں میں لیے پھرتے تھے مگر زکوۃ وصول کرنے والا کوئی نہ ملتا تھا۔موجودہ دور میں اگر امت مسلمہ کی اکثریت معاشی بدحالی کا شکار ہے تو اس کی وجہ اسلامی معاشی نظام سے بے اعتنائی برتنا ہے۔ اگر آج بھی سربراہان ممالک اسلامیہ پوری ایمانداری سے معاشی نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار کردیں تو چند سالوں کے اندر اندر عالمی منڈی کے بڑے بڑے مراکز جو کہ مغرب کے زیر اثر ہیں، ملت اسلامیہ کے ہاتھ میں دکھائی دیں گے۔ جس سے ایک طرف کشکول ٹوٹے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کو معاشی مشکلات سے نجات ملے گی۔

معاصر نظام ہائے معیشت میں تقسیم دولت کا تقابلی جائزہ

اسلام، اشتراکیت اور سرمایہ دارنہ نظام میں تقسیم دولت کے تصورات نفس مضمون، بنیاد، طریق تجربہ، بنیادی مفروضات اور نتائج کے اعتبار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس حوالے سے ذیل میں مذکورہ تینوں نظاموں میں تقسیم دولت کے تصور کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

- اسلامی معاشیات کی بنیاد وحی الہی ہونے کی وجہ سے اسکے اصول حتمی اور یقینی ہیں۔اس بنا پر اس کے اصولوں میں خطاء ناممکن جبکہ فروع میں اس کے امکان بہت کم ہو جاتے ہیں جبکہ دوسری طرف سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معیشت کا انحصار تخمین وظن، انسانی سوچ اور تجربات پر مبنی ہے اس لیے محکم اور ناقابل تردید نتائج اخذ نہیں کیے جاسکتے اور غلطی کے امکانات بہر حال موجود رہتے ہیں۔مزید برآں اشتراکیت اور سرمایہ دارنہ نظام میں معاشی نظریات کو صرف مشاہداتی اور عملی شواہد کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور جو نظریات عقلی اور مشاہداتی طور پر رد نہ کیے جاسکیں ان کو سچا مان لیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایسے حالات پیدا ہوں کہ کچھ دوسرے شواہد ان کی نفی

کر دیں لیکن اسلامی معاشیات میں قانون الٰہی وہ کسوٹی ہے جو کسی نظریے کے سچ یا جھوٹ ہونے پر حتمی فیصلہ دیتی ہے۔

- کیپیٹلزم کا مرکزی خیال "آزادی" جبکہ کمیونزم کا "مساوات" ہے۔ لیکن اسلام کا بنیادی خیال "عدل" ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام مساوات کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے جبکہ اشتراکیت انفرادی آزادی کو سلب کر لیتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام معتدل رویہ رکھتا ہے یعنی آزادی اور مساوات کے درمیان بھی عدل قائم کرتا ہے تاکہ نہ آزادی اتنی بڑھ جائے کہ مساوات کو بالکل ہڑپ کر جائے اور نہ ہی مساوات کا ہوّا اتنا بڑھ جائے کہ وہ آزادی کو بالکل نگل جائے۔[1]
- کیپٹلزم اور اشتراکیت میں زیادہ تر توجہ پیداوار بڑھانے پر مرکوز رہتی ہے جس کی وجہ سے تقسیم دولت کا عمل ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس امر کا لازمی نتیجہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی معاشیات میں پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ منصفانہ تقسیم دولت پر بھی برابر توجہ دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تقسیم دولت کے متعلق باقاعدہ قانون سازی کی ہے (دیکھیے اسلام کے قانونی واختیاری اقدامات) تاکہ دولت کی عادلانہ تقسیم کو یقینی بنا کر معاشی ناہمواریوں کو حتی الوسع کم کیا جا سکے۔
- اگرچہ اشتراکیت اور سرمایہ داریت دونوں بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب، لیکن اسلام کے مقابلے میں ان دونوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ یہ آپس میں متضاد اور مقابل ہونے کے باوجود اسلام کے مقابلے میں اپنے فکری پس منظر کے ساتھ ایک ہی تنے کی دو شاخیں ہیں۔ اسلام جہاں مادیت کے مقابلے میں روحانیت اور اس دنیوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی دعوت دیتا ہے یہ دونوں نظام صرف اور صرف مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم ہیں۔[2]
- اسلامی نظریہ تقسیم دولت فطرت انسانی کے عین مطابق اور عدل عمرانی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے یہ معاشرے میں مہمان نوازی، باہمی محبت، اخوت، مشاورت، ہمدردی جیسے افعال پیدا کرتا ہے جبکہ دوسری طرف سرمایہ دارانہ میں انفرادی آزادی خود غرضی، لالچ اور ہوس میں اضافہ کرتی ہے اور اشتراکیت میں حقوق انسانی متاثر ہوتے ہیں بظاہر اشتراکیت کمزوروں کے دکھوں کا مداوا کرتی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں حکومت کے خزانے دولت سے بھرتے رہتے ہیں جو کہ بالآخر مختلف حیلوں سے حکمرانوں کی جیبوں میں چلی جاتی ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے کے کمزور عناصر کا استحصال ہوتا رہتا ہے اور ارباب اقتدار اور انکی نسلیں ملکی خزانوں پر

---

(۱) اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل، مکتبہ خدام القرآن لاہور، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۲
(۲) ایضا، ص: ۴۲

قابض ہو جاتی ہیں۔[۱]

- سرمایہ دارانہ اوراشتراکی نظام کا مطمح نظر صرف اور صرف دنیوی خوشحالی اور مادی ترقی ہے اس لیے اس میں معاشیات کو بڑھا چڑھا کر زندگی کا مقصد بنا دیا گیا ہے بالخصوص اشتراکیت کے بعض حامیوں نے تو اس کو ''نظام حیات'' سے تعبیر کیا ہے جبکہ اسلام میں معاشی مسئلہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہونے کے باوجود زندگی کا ''مقصد اعظم'' قرار نہیں دیا گیا ہے۔
- اسلام ایک طرف گردش دولت کے لیے زکوۃ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ جیسے قانونی و اختیاری اقدامات کرتا ہے اور دوسری طرف گردش دولت کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اسلام میں اکتناز دولت، ذخیرہ اندوزی اور حرام طریقے سے مال جمع کرنے کو انتہائی مذموم اور قابل گرفت افعال قرار دیا گیا ہے اور ان جرائم کے ارتکاب پر جہنم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے لیکن غیر اسلامی معاشیات انہیں Redistribution of Wealth کے ضمنی اعمال قرار دیتی ہے۔ اسلامی معاشیات میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے جبکہ جدید معاشیات اس لعنت کو مائکرو اکنامکس میں شامل کر کے سند جواز عطا کرتی ہے۔
- دنیا کے اندر چونکہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معیشت چھائے ہوئے ہیں جس کے عملی نتائج غربت، معاشی ناہمواریوں، اکتناز دولت، اور عالمی وسائل پر چند ہاتھوں کے قبضے کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ ان دونوں نظاموں سے نہ صرف معاشی سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں بلکہ تعلیم، صحت اور بنیادی ضروریاتِ زندگی سے بھی محرومی حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ بیان کردہ اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف اسلام کا عطا کردہ معاشی نظام معاشرے کے کمزور، اپاہج، محتاج، ضعیف اور معذور افراد جو کہ پیدائش دولت کے عمل میں حصہ نہیں لے سکتے، ان کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن و سنت میں واضح نصوص موجود ہیں جن میں ان ثانوی مستحقین تک ان کا حق پہنچانا لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ معاشرے سے غربت وافلاس کی شرح کو کم سے کم کیا جائے۔
- اسلام کے نظریہ تقسیم دولت کے مذکورہ بالا امتیازات میں سب سے بڑا اور بنیادی امتیاز یہ ہے کہ اس نے عوامل پیداوار کی فہرست سے آجر کو مستقل عامل ہونے کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں تقسیم دولت کے تین مد قرار پائے ہیں، منافع، اجرت اور کرایہ، چوتھے مد یعنی سود کو ناجائز قرار دیدیا گیا ہے۔

خلاصہ ونتائج

کسی بھی معاشی نظام کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار بنیادی طور پر اس نظام میں وضع کردہ تقسیم دولت کے

---

(۱) اقتصادیات اسلام (تشکیل جدید)، ص:۱۲۹-۱۳۳.

نظریے پر ہوتا ہے۔ زیر بحث مضمون میں تین مقبول نظام ہائے معیشت یعنی اسلام، اشتراکیت اور سرمایہ درانہ نظام میں تقسیم دولت کے تصورات کا تقابل کیا گیا ہے۔ تقسیم دولت کے تصورات کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظریہ تقسیم دولت کے علاوہ باقی ماندہ نظریے دولت کی منصفانہ تقسیم سے بالفعل ناکام رہے ہیں۔ جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام کا تعلق ہے تو یہ کئی خوبیوں کا حامل ہونے کے باوجود تقسیم دولت کے شعبے میں استحصالی نظام کے فروغ کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ اس امر کی کھلی شہادت دنیا میں دولت کی تقسیم کے سلسلے میں پائی جانے والی عدم مساوات اور دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ جانا ہے۔ یہ نظام سرے سے ایسے اصولوں سے ہی خالی ہے جن کی بنا پر تقسیم دولت کے عمل کو مبنی بر عدل بنایا جاسکے یا کم از کم عدم مساوات کو کنٹرول کیا جاسکے۔ دوسری طرف اشتراکیت ہے جسے سرمایہ دارانہ نظام کا متبادل سمجھا جاتا ہے۔ اشتراکیت کا دامن اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام والی خرابیوں سے آلودہ نہیں ہے تاہم تقسیم دولت کے سلسلے میں عدم مساوات اس کی نمایاں پہچان ضرور ہے۔ ان تصورات کے پیش نظر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام اگر کلی طور پر نہیں تو بڑی حد تک دولت کی منصفانہ تقسیم کرنے میں ضرور ناکام ہیں۔ جس کا اندازہ ان دونوں نظاموں کے برآمد ہونے والے نتائج سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک طرف عالمی دولت اور وسائل چند بااثر خاندانوں کے قبضے میں چلے جاتے ہیں جبکہ دوسری طرف عام انسانیت اور تیسری دنیا کے غریب ممالک کے باشندے تمام عمر بنیادی انسانی ضروریات کی تگ و دو میں ہی جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ اس تناظر میں جب اسلامی نظام معیشت میں تقسیم دولت کے تصور کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ جب اس کے الہامی اصولوں کا کسی بھی معاشی نظام میں اطلاق کیا جائے تو دولت کی منصفانہ تقسیم یقینی ہونے کے ساتھ ساتھ عدم مساوات بھی خود بخود کم ہونے لگتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تقسیم دولت کے سلسلے میں کیے گئے وہ قانونی اور اختیاری اقدامات ہیں جو ایک طرف اکتناز دولت کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف دولت کی گردش کو بحال رکھتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ دولت کے اولین مستحقین کے ساتھ ساتھ بیکس اور نادار افراد کے لیے بھی سامان زندگی فراہم کرتے ہیں جس سے معاشرے میں ہمدردی، اور باہمی تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ الغرض مذکورہ بالا تحقیق کی روشنی میں یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی نظام معیشت وہ واحد نظام ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم کا ضامن اور عدم مساوات کا خاتم ہے۔